

آپ کا یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ میں تخلیق زر CREATION OF MONEY کو بٹنگ کی تاریخ کا محض ایک پرانا باب سمجھ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ عمل اب بھی جاری ہے لیکن پیش قدمی سے مسئلے کی بحث میں اس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ جس مدعا کی خاطر میں یہ ساری بحث کر رہا ہوں اس سے یہ چیز براہ راست متعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ میں اوپر اشارہ کر چکا ہوں۔ میری بحث کا مقصد بٹنگ پر فنی گفتگو نہیں ہے بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے اس کے نقصان دہ پہلوؤں کو واضح کر کے اصلاح کی شکل پیش کرنا ہے۔

آپ کے آخری سوال کا جواب یہ ہے کہ CREATION OF MONEY کی پشت پر اگر سود اور فریب نہ ہو تو اس میں کوئی حرمت کا پہلو نہیں ہے۔ اب یہ دیکھنا آپ لوگوں (یعنی اہل فن) کا کام ہے کہ صامی ضرورت کے لئے ایک صحت مند تخلیق زر کا نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے جو تجارت کے پہلوؤں سے پاک ہو۔

کیا تجارتی قرضوں پر سود جائز ہے؟

سوال : جیسا جناب نے فرمایا تھا۔ میرے مسئلہ حل کی بنیاد دو باتوں پر ہے ایک یہ کہ سود سے مراد وہ ذاتی قرض کی وہی معیشتی جاتی چاہیے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پہنچ گئی اور دوسرے یہ کہ تجارتی سود کا رواج چونکہ اس زمانے میں نہ تھا۔ سود کی یہ صورت قرآنی حکم تحریم میں نہیں آتی۔ جبکہ ان دونوں باتوں کو درست نہیں سمجھتے۔ مگر یہ دونوں جناب کی تصنیف "سود" حصہ اول کے صفحات ۲۷، ۲۸، ۲۹ کی بحث پر مبنی ہیں۔ جناب نے فرمایا۔ قرآن جس زیادتی کو حرام قرار دیتا ہے وہ ایک خاص قسم کی زیادتی ہے۔ اس لئے وہ اسے "الربوا" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اہل عرب کی زبان میں اسلام سے پہلے بھی معاملہ کی ایک خاص نوعیت کو اس اصطلاحی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ اور چونکہ الربوا ایک خاص قسم کی زیادتی کا نام ہے اور وہ معلوم و مشہور تھی۔ اس لئے قرآن مجید میں اس کی کوئی تشبیہ نہیں کی گئی۔۔۔۔۔ اس کے بعد وہ دوا یا ستیہ میں جن میں زمانہ جاہلیت کے ربوا کی مثالیں دی گئی ہیں اور ان کے بعد رقم ہے۔

کاروبار کی یہ صورتیں عرب میں رائج تھیں انہیں کہ اہل عرب اپنی زبان میں "اربا" کہتے تھے معنی وہ چیز تھی جس کی تحریک کا حکم قرآن مجید میں نازل ہوا۔ میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ جناب کی کتاب میں دوسری کتابوں میں "اربا" کی جو مثالیں دی ہوئی ہیں ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ عرب تجارت کے لئے بھی قرض لینے لیتے تھے اور اگر عرب میں تجارتی سود رائج نہیں تھا تو جناب کے اپنے استدلال کے مطابق "اربا" علیٰ ذہن میں نہ لانا چاہیے۔ اگر یہ نتیجہ نکلنے میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے تو مہربانی فرما کر مجھے اس سے مطلع فرمائیے اور علمائے کرام سے بھی مانا ہے کہ "اربا" سے وہی ضرورتی مقصد ہے جو ان دنوں عرب میں متداول تھی اور ربا کے نام سے یاد کی جاتی تھی۔

اب یہی یہ بات کہ آیا زمانہ جاہلیت کے عرصوں میں تجارتی سود واقعی رائج تھا کہ نہیں۔ اس کے متعلق جناب فرمایا ہے کہ یہ بات صراحت کے ساتھ کسی کتاب میں نہیں لکھی گئی۔ اس لئے میں نے عرض کیا تھا کہ ایسے سنگین معاملے میں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑی سخت سزا مقرر کی ہے تیغ پر عمل نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے اصل حالات معلوم کرنے چاہئیں۔ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ یہ تاریخی امر ہے کہ یورپ میں پانچویں اور دسویں صدی عیسوی کے درمیان تجارتی سود کا رواج نہ تھا۔ اس کے لیے میں جناب کی خدمت میں مختلف کتابوں کے حوالے پیش کر سکتا ہوں۔ نیز جن کتابوں تک میری رسائی ہو سکی ان سے یہ معلوم ہوا کہ ان دنوں عرب میں تجارت نجی سرمایہ سے یا مفاد سے ہوتی تھی۔ تجارت کے معنی تذاکرے میری فطرت سے گزرے ہیں ان میں کہیں تجارتی قرض کا ذکر نہیں۔ جناب کی طبیعت اور وسعت مطالعہ سے مجھے امید تھی کہ جناب میری رہنمائی کسی ایسی کتاب کی طرف فرمائیں گے جس سے اس بات کے متعلق قابلِ وثوق حالات معلوم ہو سکیں۔ لیکن یہ امید بڑھ آئی۔ جیسا میں پہلے عرض کر چکا ہوں مصنفین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ لیکن اس کا کہیں ذکر نہیں آتا کہ لوگ قرض سے کوئی تجارت کیا کرتے تھے۔ قریش تاجر تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سود پر روپیہ دیتے تھے۔ مگر کن کو؟ کھجور کے کاشتکاروں کو۔ طبقہ تہار کا ایک فرد بھی اپنا سرمایہ سود پر دیتا ہے تو کاشتکاروں کو۔ کیا

اس سے یہ گمان نہ ہو گا کہ تجارتی سود ناپید تھا ؟

جناب نے دریافت فرمایا ہے کہ قرض کی بہت سی مختلف صورتوں میں سے کس کس کو تحریم ربوہ کے حکم سے خارج اور کس کس کو داخل کریں گے۔ سود کی وہ صورتیں جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں سب منع ہوں گی۔ جہاں تک میں کہہ سکا ہوں اس وقت ذاتی ضروریات کے لیے ادا اضطراری قسم کے قرض ہی لیے جاتے تھے اور ایسے قرض لینے والے لوگوں کو جہاں اکثر لوٹتے تھے اور ان کو بھانا مزدی تھا اس لیے الربوہ حرم ہوا۔ ایسے سود کی جتنی بھی مذمت کی جائے درست ہے اور اس کے عروں کے لیے جس قدر سخت سزا تجویز کی جائے بجا ہے۔ اس کے برخلاف ایسے قرض جن کے لینے والے نفع اور کاموں میں لگاتے ہیں ان پر سود جائز ہونا چاہیے۔ ایسے سود لینے والے اور لینے والوں کے لئے غلہ مند ہوتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ کئی دفعہ مدیون ان کو مضاربیت پر ترجیح دیتا ہے۔ مجھے یہ سمجھنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ ملائے کو ام ایسے سود کو "حرب من اللہ ورسولہ" جیسی سخت سزا کا مستوجب کیوں قرار دیتے ہیں۔ کیا اسلامی فقہ کے مطابق جوہم اور اس کی سزائیں کچھ مطابقت نہیں ہونی چاہیے۔ ایسے سود پر جو اعتراض کئے جلتے ہیں وہ یہ ہیں :- ایک اس سے ایسا طبقہ پیدا ہوتا ہے جو غیر محنت و مشقت کے آمدنی وصول کرتا ہے۔ یہ اعتراض ان لوگوں پر بھی ہونے چاہیے جن کے پاس بڑی بڑی زمینداریاں اور کئی کئی مکان ہیں اور وہ بن محنت گزروقتات ہی نہیں بلکہ عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر اسلام ان نکستوں کو نہیں روکتا تو تجارتی سود لینے والا ہی کیوں محدود حساب ہو ؟ دوسرے یہ کہ سود لے کر تجارت کرنے والے کو چاہئے نقصان ہو مگر سود لینے والے کو منافع ہی ملے گا۔ یہ اعتراض کچھ حد تک درست ہے لیکن اس بات کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ سود پر روپیہ تجارت کے لئے اس لئے لیا جاتا ہے کہ مدیون کو اس طرح سود سے کئی گنا زیادہ منافع کی امید ہوتی ہے اور بیشتر اوقات یہ امید پوری ہوتی ہے۔ ورنہ تجارتی قرض کو اس قدر فروغ نہ ہوتا۔ ایسے قرض لینے والے کو سالانہ ایک چھوٹی سی رقم ملتی رہتی ہے اور اس کے بدلے روپیہ لینے والا کبھی اس رقم سے کئی گنا زیادہ نفع کا لیتا ہے اور کبھی اس کو نقصان پہنچتا ہے اس قسم کے

(RISK) کو قبول کرنا تجارت کا عام سودک ہے۔ اور یہ ایسی چیز نہیں اور اس سے ایسی خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں کہ اس پر الربوا والی منر لازم آوے۔ میرے خیال ناقص میں یہیں سود کی نفع اور لو غیر نفع آور سود توں میں تفریق کرنی چاہیے اور پہلی جائیداد دوسری ممنوع ہونی چاہیے۔

جناب نے اپنے خط میں یہ بھی فرمایا ہے "اس زمانے کے لوگوں کی نگاہ میں قرض ہر طرح کا قرض ہی تھا، خواہ نادارے یا مال دار، خواہ ذاتی ضروریات کے لیے یا کاروباری ضروریات کے لیے۔" کیا جناب موزن الذکر حصہ کی حیثیت میں کوئی حوالہ دے سکتے ہیں؟ کئی سو سال سے تجارتی سود تمام دنیا میں رائج ہے اور لوگوں کو اس کی عادت سی ہو گئی ہے۔ اس لیے ان کے لیے یہ شکل ہو گیا ہے کہ اس بات کا تصور کر سکیں کیا ایک ایسا زمانہ بھی تھا جب کہ تجارتی سود ناپید تھا۔ حالانکہ تاریخی شواہد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تجارت کی اغراض سے سود کا لین دین کم از کم مغربی ملکوں میں رسولی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت رائج نہیں تھا۔

میں جناب کو بار بار تکلیف دے رہا ہوں۔ اس کی تین وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ عملاً لاکھوں مسلمان تجارتی سود لیتے یا دیتے ہیں۔ کیونکہ اگر ان کو تجارت قائم رکھنی ہے جس میں روز بروز مقابلہ تیز تر ہوتا جاتا ہے، تو ان کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں مجھے معلوم ہے کہ جناب نے اس بات کو نہیں مانا اور متبادل طریقے تجویز بھی فرمائے ہیں۔ لیکن میں بصد ادب عرض کروں گا کہ ہم لوگوں کی موجودہ ذہنی اور اخلاقی حالت میں وہ قابل عمل نہیں ہے۔ وہ اخلاقی معیار جس کی آپ کو اپنے ہم مذہبوں سے توقع ہے ایک نبی چاہتا ہے۔ اور ہمارے مذہب میں دوسرے نبی کی گنجائش ہی نہیں۔ اس لیے مجھ ناچیز کے خیال میں ہمارے علمائے کرام کو چاہیے کہ مذہب کے تمدنی و معاشرتی معاملات میں ضرورت سے زیادہ سختی نہ لیں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان **يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّيسَ وَيُكَفِّرَ عَنْكُمُ السَّيِّئَاتِ وَيُكَفِّرَ عَنْكُمُ الْعُصْيَانِ** کو یاد رکھیں۔ مزید برآں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جس چیز کو قانون منع کرے اس کا نقصان اس کے فائدہ سے زیادہ ہونا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جئے کے بارے میں فرمایا ہے **وَلَا تَحْتَمِلُوا كُفْرًا مِنْ نَفْسِهِمَا**۔ تجارتی سود بعض حالات میں بعض لوگوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زیادہ تر اوقات فائدہ مند ہی ہے۔ اور اس کا نفع اس کے نقصان سے بہت زیادہ ہے۔ اس لیے اس کی منافی نہ ہونی چاہیے۔

دوسرے آج کل بھی ضروریات کے لیے اس قسم کے سود کی ضرورت پڑتی ہے کہ بوقت جنگ قرض کے بغیر چارہ

نہیں یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے جسے نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔

تیسری وجہ ذاتی ہے۔ میں سرکار کا نوکری کے دوران میں جنرل ہوا دیٹمنٹ کے لیے دو مہینے اپنی مرضی سے کٹواتا رہا۔ اس پر مجھے ایک کافی رقم سود کی ملی ہے جو میں نے نکال کر غلوہ رکھ لی ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا یہ سود ممنوع ہے یا جائز۔ کیا جناب میری رہنمائی فرمائیں گے؟ اگر ممنوع ہے تو اس رقم کو اب کس کام میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟ کیا حاجت مندوں کی امداد پر اسے خرچ کرنا جائز ہوگا؟ اس رقم کی حرمت و حلالیت معلوم کرنے کے لیے مجھے جو سعی کرنی پڑی اس میں میں نے سید پرہیز کنائی میں پڑھ ڈالی۔ لیکن چند ٹیکٹے صاف نہ ہر سکے۔ اور ان کو آپ کے سامنے حل کے لیے پیش کرنے کی جرأت کر چکا ہوں۔ امید ہے آپ مجھے اس تکلیف دہی کے لیے معاف فرما دیں گے۔ اطمینان طلب چاہتا ہوں۔ لیکن اس خط کے جواب کے بعد جناب کو مزید تکلیف نہ دوں گا۔

جواب:- بے شک میں نے یہ لکھا تھا، اوصاف بھی یہی لکھا ہوں کہ قرض چہ جس نوعیت کی زیادتی کو عرب میں الہوا کہا جاتا تھا، قرآن میں اسی کو حرام کیا گیا ہے۔ لیکن آپ اس بات کو جس معنی میں لے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ قرض کی جو چیزیں عرب میں اُس وقت رائج تھیں، ان میں قرآن نے اصل سے زیادہ یعنی کو حرام کیا ہے۔ حالانکہ میں نے، اور تمام فقہائے اسلام نے بالاتفاق، قرض کی نوعیت کا نہیں بلکہ زیادتی کی نوعیت کا استنباط کیا ہے۔ اس کو میں ایک مثال سے واضح کر دوں گا۔ عرب میں زمانہ نزول قرآن کے وقت اصطلاحاً لفظ خمر صرف انگور کی شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ دوسری قسم کی شرابیں جو اس زمانے میں بنتی تھیں، ان پر بھی بازار لفظ بول دیا جاتا تھا۔ بہر حال جب قرآن میں اس کی حرمت کا حکم آیا تو کسی نے بھی اس کا یہ مطلب نہیں دیا کہ یہ حکم تحریم صرف اس قسم کی شراب یا ان اقسام کی شرابوں کے لیے، جو عرب میں اس وقت رائج تھیں، مخصوص ہے۔ بلکہ یہ سمجھا گیا کہ ان سب میں جو ایک صفت مشترک، یعنی نشہ آور ہونے کی صفت، پائی جاتی ہے، اصل حرمت اسی کی ہے اور وہ جس قسم کی نوشیدنی یا خمر دنی چیز میں پائی جائے وہ اس حکم کے تحت آتی ہے۔ اسی طرح عرب میں قرض کے معاملات کی بھی چند صورتیں رائج تھیں۔ ان سب میں یہ بات مشترک تھی کہ لین دین کی قراردادیں اصل سے زائد ایک رقم ادا کرنا بطور شرط کے شامل ہوتا تھا اور اسی کا نام اہل عرب

ذیوا رکھتے تھے۔ قرآن میں جب دہوا کی حرمت کا حکم آیا تو کسی نے اس کا یہ مطلب نہ لیا کہ یہ حکم انہی اقسام قرض سے متعلق ہے۔ جو عوب میں اس وقت رائج تھیں۔ بلکہ شروع سے آج تک کے تمام قرضوں کے لیے یہ مطلب لیا ہے کہ وہ زیادتی ممنوع ہے جو اصل رقم قرض پر بطور شرط ماند کی جائے۔ قطع نظر اس کے کہ قرض کسی نوعیت کا ہو۔ اس بات کی طرف خود قرآن میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔ وان تبتم ففکروا من انواکم (البقرہ - ۲۷۹) اور اگر تم کو یہ کہہ دو تو اپنے اس المال لینے کے حقدار ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس المال سے زیادہ لینا ہی دہوا ہے۔ اور اسی کو قرآن حرام کر رہا ہے اگر قرض کی بعض خاص صورتوں ہی میں یہ زیادتی حرام کرنی مقصود ہوتی تو اشارے کنا سے ہی میں یہ مقصد ظاہر کر دیا جاتا، مثلاً یہی کہہ دیا جاتا کہ حاجت مند کو قرض دے کر زیادہ نہ وصول کرو۔

آپ حاجت مند کی شرط قرآن میں نہیں پاتے بلکہ باہر سے لاتے ہیں اور یہ شرط بڑھانے کے لیے جو دلیل آپ پیش کرتے ہیں۔ اس سے بہت بڑی اصولی قباحت یہ واقع ہوتی ہے کہ ایک سود ہی نہیں قرآن کے سارے احکام ان حالات و معاملات کے لئے مخصوص ہو جاتے ہیں جو عوب میں اس کے نزول کے وقت پائے جاتے تھے۔ نیز یہ استدلال کر کے آپ ایک بڑا ریسک RISK بھی لیتے ہیں۔ آپ کے پاس اس امر کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ اس زمانے میں کوئی شخص قرض لے کر تجارت نہیں کرتا تھا نہ اس امر کا کوئی ثبوت ہے کہ دوران تجارت میں بھی کوئی تاجر کبھی دوسرے تاجر یا سہوکار سے قرض نہ لیتا تھا۔ یہ دونوں باتیں آپ نے صرف عام تاریخی بیان سے نکال لی ہیں کہ اس زمانے میں تجارت نجی سرمایہ سے یا مشارکت پر ہوا کرتی تھی اور تجارتی سود کا رواج بہت بعد میں ہوا ہے۔ حالانکہ اس طرح کے تاریخی بیانات جو ایک عمومی کیفیت پیش کرتے ہیں، کبھی اسی امر کا ثبوت نہیں ہو سکتے کہ اس زمانہ میں کوئی دوسری صورت واقع نہ ہوتی تھی۔

میں نے جو پچھلے خط میں عرض کیا تھا کہ اس زمانے کے لوگ ہر قسم کے قرض کو قرض ہی سمجھتے تھے خواہ نادار سے یا مالدار اور خواہ ذاتی ضروریات کے لیے یا کاروباری ضروریات کے لیے، یہ میرا قیاس ہے اور اس بنیاد پر ہے کہ میری نگاہ سے قدیم زمانے کی تحریروں میں کبھی قرض کی اقسام

قرض لینے والے کی حالت یا غرض کے لحاظ سے نہیں گزریں، حالانکہ انسان ہر زمانے میں قرض مختلف اغراض کے لئے لیتا رہا ہے، اور قرض لینا صرف نادار لوگوں تک کبھی محدود نہیں رہا ہے۔ اس وقت میرے لئے یہ بحث کرنا مشکل ہے کہ نفع اور اغراض کے لئے بھی قرض پر سود لینا کیوں حرام ہونا چاہیئے؟ تفہیم القرآن اور سود میں اس کے متعلق اپنے دلائل بیان بھی کر چکا ہوں۔ صرف یہ عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ میری رائے میں پراویڈنٹ پر جو سودی رقم آپ کو ملی ہے اسے آپ اپنی ذات پر خرچ نہ کریں۔ اگر آپ کو اس کے حرام ہونے کا یقین نہیں ہے، تب بھی یہ رقم مشکوک تو ہے۔ آپ جیسا ٹیبل آدمی ایک ایسی چیز سے کیوں فائدہ اٹھائے جس کے پاک ہونے کا یقین نہ ہو، خصوصاً جبکہ آپ اس کے محتاج بھی نہیں ہیں۔ بہتر یہ ہو کہ آپ اس سے ایک ایسے فنڈ کی ابتدا کریں جو حاجت مند لوگوں کو بلا سود قرض دے۔ میرا خیال یہ ہے کہ دوسرے بہت سے لوگ بھی جن کو اس طرح کی سودی رقمیں ملی ہیں، یا آئندہ ملیں گی، اس فنڈ میں اپنی رقمیں بخوشی داخل داخل کر دیں گے اور ایک اچھا خاصا سرمایہ اس کام کے لیے جمع ہو جائے گا۔